

# فاتحة الكلام في القراءة خلف الامام

مؤلف:

شيخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانى قدس سره



# مقتدری اور سورۃ فاتحہ کی قرأت

حنفی مذہب کا موقف کتاب و سنت کی روشنی میں!

ہر وہ عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الا بام القرآن کی زیادت پر قناتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن یحییٰ کے سوا  
اس کا کوئی دوسری نہیں اور ایسی حدیث میں فصحاء کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور  
صحیح قرار دیا ہے اور ابو داؤد نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں :-

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تسأروا لمن لم يقرأ بام القرآن ان فصاحدا  
عبادة بن الصامت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز  
نہیں ہے اب اگر اس سے مقتدری کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائے گا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ  
حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا لفظ فصاحدا کو مراد



معمولہ تنہا زیادہ کیا ہے۔ دست نہیں کیوں کہ ابو داؤد کی سند میں سفیان بن عیینہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاحہ ابراہیم نے بھی پھر صراح (بن کیسان) اور امام اندلی اور عبدالرحمن بن اسحق وغیرہ جیسے ثقہ نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمولہ بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابو سعید خدری کی حدیث بھی کر رہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

امروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرأ بفاتحہ کتاب وائتیس والنادۃ صحیح عند ابی داؤد۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سورۃ فاتحہ پڑھنے اور اس کے ساتھ) جو آسان ہے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی وابن ماجہ نے بھی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ لا صلوة لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ۔ اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور ایک سورۃ نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کہ معمولہ تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ و اتقان میں محمد بن اسحق سے بہت بلند ہے یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے۔ تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔ حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے ہمارے میں نہیں بلکہ امام اور مفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۃ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قرأت واجب نہیں اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابو داؤد کے اس لفظ سے برہنہ دور ہو گیا (ان کنتم لا بد فاعلمین فلا تفعلوا الا بام القرآن) فیض ص ۲۴۳ ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضرور ہی امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہتے ہو تو سورۃ فاتحہ کے سوانہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عزمان وجوب کا ہے یا محض جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتہ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ چہری نماز میں ساتھ ساتھ قرأت کرنا نص قرآن اور حدیث انصاف کے خلاف ہوگا۔ تیسری دلیل صاحب تکمیل نے یہ بیان کی ہے:-

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لا بی ہریرۃ فانکرت واما الامام فقال اقرأ بیانی نفسک (مسلم شریف)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابو ہریرہ کے شاگرد نے کہا کہ ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ (ایسی حالت میں) سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی میں بحث کی ہے مگر ہر سجدہ آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ مقتدی کے ذمہ قرأت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرأت خلف الامام اس کے نزدیک معروفت تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی پھر حضرت ابو ہریرہ نے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ مگر اقرأ بیانی نفسک اس مفہوم میں صریح نہیں ہمارے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفا قرأت قلبی کو بھی قرأت کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۃ فاتحہ کی رکینیت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے اس کو واجب کرنا بردستی ہے۔

غیبہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ رحمہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہر یہ کوزیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال (نوٹ لکھ سکو پڑھا جھڑکے)



حجت میں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونا چاہئیں۔ جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کو  
ہوتی ہے فاتحہ کی رکعت پر کوئی دلالت نہیں بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے اس سے صرف فاتحہ کا وجہ  
ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قرات فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں۔ اور مقتدی کے لئے امام کی قرات کافی ہے امام کی قرات  
کے ذریعہ سے حکم قاری ہے جیسا مفصل گذر چکا ہے حدیث مسلم ابو داؤد میں صراحۃ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اور  
قرأ فانصتوا۔ ہی قرآن میں حکم ہے واذن قرآن فاستمعوا له وانصتوا پس جواب ابو ہریرہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے قرات  
قرأت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے اور اس کے سکرات میں تنہا پڑھ لو ساتھ ساتھ نہ پڑھو  
اور فی نفسک کے معنی تنہا کے بھی کہتے ہیں جیسا حدیث صحیح قدسی میں وارد ہے۔ من ذکر فی فی نفسہ ذکر بتنی نفسی ومن ذکر فی  
فی ملأ ذکر نہ فی ملائخیں ہ ملأ۔ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اس کو تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے میں اس کو جماعت  
سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اس حدیث میں فی نفسہ کے معنی تنہا میں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے پس ابو ہریرہ کے جواب کا  
بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ امام کے پیچھے تم تنہا سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اس کو کوئی منع نہیں کیا اور  
اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزوالقرات ص ۵۷ میں اور حاکم نے مستدرک ص ۲۴ میں  
حضرت ابو ہریرہ ہی سے ہائیں الفاظ روایت کی ہے۔

من صلی صلوۃ مکتوبہ مع الامام فلیقرأ أبغاً تحذیراً کتاب فی سکتاتہ ۱۱

۱۲ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہہ دیتے ہیں ملاحظہ ہو ص ۹۵  
جس میں ضم سورت کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورت کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے شاہ صاحب  
حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۷ میں فرمایا ہے وان کان ماموما وجب علیہ الانصات والالستماع فان جهر الامام لم یقرأ الا عند من کان  
وان خافت فله الخیر فان قرار فلیقرأ الفاتحۃ قرأۃ۔ لایشرش علی الامام وھذا اولی الاقوال عندی ذبہ یجمع بین بان  
والسرفیہ مانص علیہ من ان القراءۃ مع الامام تشوش علیہ وتفتوت التدبر وتخالفت تعظیم القرآن ولم یعم علیہما ان  
یقرأ ومن الان العاصۃ منی الادوان یحجوا الحروف باجمعہم کانت لھم لجة مشوشۃ ۱۱۔

(سوجہ) اگر نمازی مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے اگر امام (قرأت) جہر سے پڑھے تو مقتدی  
قرأت نہ کرے مگر سکتہ کے وقت اور اگر قرات سری کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قرات کرنا چاہے تو سورۃ فاتحہ اس طرح پڑھے  
کہ اس کی قرات سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ سب سے بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکتہ امام  
میں قرات کرے اور سری میں تشویش سے بچ کر قرات کرے۔

اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جا سکتا ہے اور اس میں راز یہ ہے جسکی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ  
قرات کرنا اس کو تشویش کرتا ہے اور اس سے تدبر فی القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز  
میں بھی مقتدیوں پر لازم نہیں کی گئی کیوں کہ عوام جب سب مل کر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویش  
کوٹھ پیدا ہوتی ہے ۱۱۔ یہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک قرات خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو  
تکمیل کر کے کچھ بولنے کا حق نہیں ۱۲







ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان یقر احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسہ بھی ہماری دلیل ہے کیوں کہ اس میں ذکر کی قید موجود ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو اس کے پیچھے اس کے ساتھ میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسہ کا بمعنی منفرد آنا بتلاچکے ہیں۔ مؤلف تکمیل کا یہ دعویٰ کر فی نفسہ کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں علماء مالکیہ میں سے بعض اجلہ علمائے حدیث ابو ہریرہؓ نے قرآن بھائی نفسک کی تفسیر میں یہی کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی فتح الملہم) پھر ہم بتلاچکے ہیں کہ نبی کے بعد استشارہ وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی کے لئے قرارت فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہو گا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کے لئے مضر ہے کیوں کہ وہ تو فریست اور رکنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں رکنیت تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل حضرت انسؓ کی حدیث ہے جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول کی حدیث کے کلمے اس میں بھی وہی فی نفسہ کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت فرماتا بھی کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرتے ہو؟ تم بتلاچکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر اس حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن سالم کے واسطے سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأت الامام لہ قرأت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو اور یہ اس کا مقتدی ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر فقر میں اس کو ثقہ کہلے۔ اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حاتم لا بأس بہ ص ۹۷ ابو حاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور یہ لفظ توثیق کے لئے مستعمل ہے اگر نافع بن محمد کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جاسکتا ہے تو ابن سالم کو ابو حاتم کے قول سے بدرجہ اولیٰ ثقہ کہا جائے گا پس دونوں حدیثوں کے ملائے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے جواز قرارت ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز کبھی اس طرح کہ دل دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۃ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) پھر عروان المعبود سے نقل کر دیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ اور دھوکہ دینا اسی کا نام ہے ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے؟ اگر جزو القراءت بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے قال البیہقی ومحمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عیروان کان غیر محتج بہ وکان الک بعض من تقا من رواہ عن عمرو بن شعیب فلم یقرأت الامام سورۃ فاتحۃ الكتاب فی سکتۃ الامام شواہد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب من ابیہ عن جدہ خیل عن نعاصم۔ وعن ابی ہریرۃ وغیرہ من فتواہم (ص ۲۵)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عیروان سے حجت نہیں قائم ہو سکتی (کیوں کہ وہ ضعیف متروک ہے بعض محدثین نے ان کو کاذب بھی کہا ہے) (اسان ص ۲۱۶ ج ۵) اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی حجت قائم نہیں ہو سکتی)



ہیں جو سکتے، مگر امام کے سکتے میں مقتدی کی قرأت فاتحہ کہنے کے لئے عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں ان کے فعل اور فتویٰ کا بیان موجود ہے اور۔

اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرمادیا کہ عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے اس باب میں حدیث مرفوعہ ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتویٰ کا ثابت ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتے میں مقتدی کی قرأت کو جائز فرماتے ہیں اور اس حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجہ پر کوئی دلیل نہیں۔ جیسا مفصل بیان گزر چکا۔ پس یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

ساتویں دلیل میں عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پھر بیان کر دیا ہے حالانکہ حدیث پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اس کو چنانچہ حدیث قرار دینا صحیح نہیں ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادۃ مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دیدی گئی تو یہی ہیجست ہے بقیہ طرق ہیجست نہیں ہو سکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اور اس سے کسی کو انکار نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قرأت فاتحہ واجب ہے اور اس معنی پر اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث سے محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کے جتنے بھی طرق ہیں سب مروج اور ناقابل قبول ہیں پھر جس کتاب حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کئے گئے ہیں وہاں سے نصیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب حدیث کی توشیح نقل کی گئی ہے اس سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے۔ کیوں کہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فليقرأ بفاتحة الكتاب (ص ۱۸۶ ج ۱) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے وہ سورۃ فاتحہ پڑھے لے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیا یا امام کے سکتے میں پڑھے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

حدیث نویں اور دسویں۔

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور دونوں جزو القراءت بہیقی سے نقل کی گئی ہیں۔ میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہو جائے وہی مقبول باقی ناقابل قبول ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل نے اس حدیث کو جزو القراءت بہیقی سے نقل کر دیا مگر نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام ہی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہبی نے ان کو ٹوکا قال قلت لمحمد بن سليمان خلف الامام قال خلف الامام مثله کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے؟ کہا ہاں۔ اور محمد بن احمد ذہبی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب موطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا،



کہ ایک نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قرأت جائز نہیں۔ تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مذکور ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرے مقتدی قرأت نہ کرے اگرچہ امام کی قرأت نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قرأت کرے جس نماز میں امام جہر کرے اس میں کسی کو قرأت جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ ص ۱۴

اگر اس حدیث میں انھوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے سے کیوں منع کرتے؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابوالطیب ذہلی کے سوال کے مفہوم پر ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ مسبوق اگر امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورہ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں مستقل ہونا قرآن کے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلنا صانکالامامین یدیکھا وما خلفھا۔ رہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آئے والے تھے۔ تفسیر طبری ص ۱۲۵ (۱) رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تق آوالامام التسان کی) زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور کئی ائمہین وغیرہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبادہ رحمہ سے بوجہ چند صحیح مشہور ہے تو یہ ویسی بات ہے جو علامہ ابن قیم نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ رحمہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سوائے کاہم نے کب انکار کیا؟ کہ بعض صحابہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے یا سکتہ امام میں، اور ترجیح ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے اور دوسری حدیث عبادہ رحمہ میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو۔ کیوں کہ اس کی سند میں احمد بن عمیر و مشقی معروف بابن جوصلہ جس کی بابت حافظ ابن منذر نے حمزہ کثانی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جوصلہ کی روایات کے دو سوجز ہیں کا ش وہ سفید ہی ہوتے اور حاکم نے زبیر بن عبد الواحد سدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو علی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اس کے کہ وہ عبد اللہ بن وہب درموری اور ابن جوصلہ سے روایت کرتے ہیں اھ۔ اس کی سند میں محمد بن ابی السری بھی ہے جو غالباً مستثنائی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا اور منکرات روایت کرتا ہے ذہبی نے میزان میں اس کی ایک حدیث منکر بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی اور بھی منکرات حدیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری کے مناکیر میں سے ہے یا ابن جوصلہ کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منقرض ہے۔ مقتدی مراد نہیں کیوں کہ مقتدی کے ہائے میں صحیح حدیث ادا قرآن امام فانصرا (جب امام قرأت کرے خاموش رہو) میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی نہ بحساب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم؟ پھر اس پر یہ فتویٰ کیا گیا کہ مقتدی کو محقق و مبصر اور شریعت محمدیہ پر یہ شخص تہم بالوضع ہے یعنی حدیثیں ٹھکانا تھا لا ظ



کا محکوم و فرمانبردار قرار دے کر حنفیہ کے عوام و خاص کو مذہب پرست فرقہ بندی اور استخوان فروشی کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔ مسائل اختلافیہ میں جب کہ ہر فرقہ کے پاس دلائل موجود ہیں، دوسرے دینی اور خلافت تہذیب بائیں کھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو برا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید و تقویت پر اکتفا کرتے ہیں۔

آٹھویں حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے۔ (مؤلف تکمیل نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حامل وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا حامل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیوں کہ مقتدی کو امام کی قرارت کافی ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہم دے چکے ہیں مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیوں کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصاف دعاوش رہنے کا حکم ہے وہ امام کی قرارت کی وجہ سے حکماً قرارت کر رہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور ساتھ ساتھ قرارت کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی دعاوش ہے اور اس کی قرارت کو مقتدی کے ساتھ مقتدی کا قرارت کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔

یہ دس حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے تلک عشرۃ کاملۃ کا نام سر پر رکھ کر بڑی فخر سے فرمایا ہے کہ الحمد للہ قرارت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دس حدیثوں سے باحسن وجہ حل ہو گیا۔ گویا حنفیہ کے پاس نہ قرآن کے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرمانا چاہیے کیا ان کو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں میں بتلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قرارت فاتحہ خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار کو دیکھئے۔

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یزید بن شریک نے قرارت خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا اگرچہ آپ (امام) ہوں فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کر رہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کر رہا ہوں اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا اس کے راوی ثقہ ہیں اور دوسری سند سے روایت کی کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے روایتیں مختلف ہیں عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرارت خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث مرسلہ صحیحہ ہے اور امام محمدؓ نے اپنی موطا میں داؤد بن قیس فرار سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائے جو امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیوں کہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمرؓ سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدة القاری میں تصریح کی ہے کہ دو مرسل صحیح اگر ایک حدیث موصول صحیح کے معارض ہوں تو دو مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے ص ۸۸۵ اور شاہ ولی اللہ ص ۸۸۵

معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمدؓ اور نصب الراية زیلعی بھی ہو اور عمدة القاری شرح بخاری طبعی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے اگر نظر نہیں آئے تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے

مسلک کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں؟ ۱۲ ظ



نے انکار الحقائق ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں :  
قلت روى اهل الكوفة من اصحاب عمر انهم لم يروا عن عمر بن الخطاب كونه في مجلس  
روایت یہ ہے کہ (حضرت عمرؓ کے نزدیک) مقتدی کچھ قرأت نہیں کرتے گا۔ اس صورت میں پہلے ترجیح کے موافق روایت صحیح  
کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت في الاصول ترجيح الامام علي المبلغ اذا انفرد فساد کیوں کہ پہلے میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ  
جب محرم اور صبح میں تعارض ہو محرم کو ترجیح دی جائے گی (خصوصاً جبکہ روایت تحریم نفس دران اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا  
دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ ممانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرے  
اور قرأت کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے ساتھ میں یا سری نماز میں قرأت کرے جیسا حضرت ابو بکر  
اور عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبادہ سے روایت پہنچی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ امام کے ذمہ مسکتہ واجب ہونے  
کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو واجب پر محمول نہیں کر سکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

دوسرا آخر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور  
ایک سورت۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل البرہان مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ  
کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے جو لوگ قرأت  
خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا، خود اہل  
حدیث بھی اس کے قائل ہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب دیں کیوں کہ اس میں فاتحہ  
اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مختلف روایات ہیں۔  
عبدالرزاق اور ابو بکر بن ابی خدیجہ نے اپنی مصنف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے۔

قال من قرأ خلف الامام فقد أحفظ الفطرة - جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ فطرت (یعنی سنت) کے  
خلافت کرتا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس کو روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی  
سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ بھی کہا ہے اس لئے روایت کو رد  
نہیں کیا جاسکتا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے بجز محمد  
بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ اور قضایا کو اہل  
کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیوں کہ ان کا زمانہ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گزرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح  
دی جائے گی۔ خصوصاً جب کہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبداللہ بن یعقوب سند میں  
نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبداللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے باپ (زید بن اسلم مولیٰ عمر بن الخطاب) سے  
روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے حضرت ابو بکر صدیق  
اور حضرت عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن  
ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس  
نس اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (عمدة القاری) جتنی سند مذکور ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبداللہ بن زید کو امام بخاری  
امام احمد نے ثقہ کہا ہے۔ اور محدثین سند کا جو حصہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہر کرتا۔



پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو ٹیچہ پر ترجیح دی جائے گی۔ یا ممانعت کو جہری نماز پر اوجہ اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جزو القراءات سے بھی کیے اس اثر سے ہوتی ہے۔

عن علی بن محمد قال سمعنا ان یقرأ الامام فی التوہماتین الاولین من صدرة النصوص الام الکتاب وصورۃ سرا فی نفسہ وینصون من خلقہ ویتراون فی النفس۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز کی سنت ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے ولے خاموش رہیں دل دل میں پڑھیں امام بیٹھنے سے اس کا محتاج کیلئے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں پھر اس سے سورۃ فاتحہ کے بعد سورت ملائے گا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہل حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔ تیسرا اثر ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مگر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نماز میں پڑھوں؟ فرمایا اگر اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قرات نہ کروں اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو امام بخاری نے جزو القراءات میں روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں قرات خلعت امام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرات کا ذکر ہے کہ نماز میں قرات ضرور ہونا چاہیے اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ ابوالعالیہ نے ہی مرسل روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے تو آیت واذقنا لقرآن فاستمعوا لہ وانصتوا نازل ہوئی۔ فسکت القوم وقل انبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر لوگ خاموش رہتے اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم قرات کرتے تھے۔ اور موطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبداللہ بن عمر کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کہ امام کے پیچھے قرات کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قرات کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرات کرنا چاہیے اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے اور بیٹھنے کے بھی جزو القراءات میں مسند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابوالعالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے نزدیک قرات کے لئے سورۃ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تکمیل البرہان کو ظہر ہے کیوں کہ وہ تعین فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اس کے بعد کنز العمال سے جواثر عبداللہ بن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ دراصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو۔ (جزو القراءات الامام البیہقی ص ۱۱) اور اس کی سند میں مفتی بن صلیح ضعیف ہے (تقریب ص ۲) پھر اس میں امام کے پیچھے مطلقاً قرات کا ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتے کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے من صلی مکتوبۃ او سجدۃ فلیقرأ امام القرآن وقرآنا معہما۔ جو شخص فرض نماز پڑھے یا نفل وہ سورۃ فاتحہ بھی پڑھے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی قرآن (سے) پڑھے۔ جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہل حدیث اس کے قائل نہیں اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اس کے سکنا میں قرات کرتے تھے اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے کہ قرات خلف الامام کرتے تھے مگر صاحب تکمیل نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کر دی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے تھا



اور وجہ کی کوئی دلیل نہیں کہ

ہو تو سورہ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکنا میں پڑھ لیا کر۔ اور اس کو ہم بھی جانتے کہتے ہیں اور وجہ کی کوئی دلیل نہیں کہ

امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔  
چھٹا اثر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خلاف ہے ناقص ہے تو ابوالسائب نے کہا کہ جب تک  
امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قراءت کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا ویلک یا فارسی اور کہا  
فی نفسک کہ اس کا ترجمہ صاحب تکمیل نے یوں کیا ہے کہ سورہ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کر۔ اور ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ ہے کہ  
دل دل میں پڑھ لیا کر کیوں کہ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بسند صحیح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اذ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
قراءت کرے تو خاموش رہو اور قراءت قلبی کا قراءت ہو ناغضہ و عرفا ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں پس دونوں روایتوں پر  
عمل کی ضرورت یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وجہ انصاف کے کہ قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا  
واجب ہے اور دل میں قراءت کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

ساتواں اثر عبداللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت  
بھی پڑھا کرتے تھے اور پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن مغفل کے  
اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے عبداللہ  
بن مغفل کا نام لیا تھا کیا ہر شخص پر جو قرآن سنے اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت و اذا قرأ القرآن فاستمعوا لعلہ  
وجہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (قرآن مجید) قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو اس کو  
سنو اور خاموش رہو (ذیل ص ۳۴) پس اگرچہ اسناد سرائے بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہاجا  
گا عبداللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قراءت نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیان میں قراءت کرتے ہونگے پھر اس روایت میں سورہ  
فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملائے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تکمیل اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا  
اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود بھی عمل نہیں کرتے۔

آٹھواں اثر ابو نعیم کا ہے کہ میں نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انھوں نے فرمایا سورہ  
فاتحہ (پڑھ لیا کر) میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابوداؤد نے ابونعیم سے روایت کیا ہے جیسا خود صاحب تکمیل نے نقل کیا ہے  
میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر۔ ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورہ  
فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو۔ اور اہل حدیث سورہ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی وابن ماجہ میں بھی  
حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں ابن عدی نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ  
نے مصنف میں ابی بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مسند اہل ختام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایتوں  
میں بھی خلف الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابونعیم سے ابو سعید کے باہم الفاظ روایت کیا ہے لا صلوة الا بام القرآن  
ومعها غبھا۔ دینماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہو اور کامل کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلوة  
بعاتحة الكتاب وسورة معها دینماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورت ہو ابن ماجہ کے الفاظ یہ  
ہیں لا صلوة لمن لم يقرأ في كل ركعة بالحمد وسورة في فريضة وغیرھا نماز نہیں ہے اس شخص کی جو ہر رکعت میں الحمد اور ایک  
سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل (اعلاء ص ۱۸۲) اب اگر اس کو قراءت خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل ہونا پڑے گا



کہ امام اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں  
ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے؟ اس کے بعد صاحب تکمیل نے خطبہ کی طوٹ ایک مغالطہ منسوخ  
کیا ہے کہ بوقت تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسی الصلوۃ کو فاقلاً مائیسر معک من القرآن فرمایا تھا کہ قرآن سے جسے جو آسان  
ہو وہ پڑھ لیا کر و خاص سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ فرض قراءت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت  
نہیں ایک دعایت کسی سورت کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے کہ اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ حافظ صاحب  
یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے اسی بعد الفاتحۃ یعنی فاتحہ کے بعد جو سورت بھی یاد ہو اور  
آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابوطاؤد میں رفاعۃ بن رافع کی حدیث میں ثم اقل بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے مسی الصلوۃ کو فرمایا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت ہو پڑھ لیا کر میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو کثرات  
خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق مقدس کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۃ فاتحہ اور ایک سورت یا دو  
تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مگر صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس کو حدیث کو قراءت خلف الامام  
سے متعلق کہا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ رہا  
حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسی الصلوۃ میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو یہ مغالطہ ہرگز  
نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں۔ ایک ابو ہریرہ رحمہ اللہ دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابو ہریرہ کی تمام روایتوں

میں یہی ہے۔

ثم اقل مائیسر معک من القرآن

پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔  
کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے  
صرف ایک راوی محمد بن عمرو نے ثم اقل بام القرآن + وبما شاء اللہ کہا ہے۔ دیکھ سورۃ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے  
یہ ابوطاؤد کے الفاظ ہیں اور ایسی محدثین عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں۔

ثم اقل بام القرآن وبما شئت۔ پھر سورۃ فاتحہ پڑھو اور جو تم بہا لاجی چاہے پڑھو۔ خود حافظ ابن حجر نے فتح الباری  
ص ۲۶۲ میں۔ اس کی تصریح کی ہے۔ قولہ ثم اقل مائیسر معک من القرآن لم تختلف الروایۃ فی صلا عن الی ہر یوق ولما  
رافاعۃ ففی روایۃ اصحیح المذکورۃ یقرأ مائیسر من القرآن معاً علمہ اللہ وفی روایت یحییٰ بن علی فان کان معک قرآن  
فاقرأ والا فاحمد اللہ وکبرہ وھللہ وفی روایۃ محمد بن عمر وھند ابی داؤد ثم اقل بام القرآن وبما شاء اللہ ولا احمد وابن  
حبان من هذا الوجه ثم اقل بام القرآن ثم اقل بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث ثانی اصول حد  
پر صحیح نہیں ہو سکتی خصوصاً جب کہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحییٰ بن معین۔ جوزجانی اور یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے  
اس کی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے توفیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت حفظ سے مجروح کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب  
(ص ۳۴۳ ۹۶) ایسے راوی کا تفرّد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں پھر یہ زیادت نص قرآن کے خلاف ہے قرآن میں  
عہ یعنی نماز کو بڑی طرح پڑھنے والا یہ حدیث اسی عنزان سے بیان کی جاتی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور کے سامنے  
بے ڈھنگے طریقہ سے نماز پڑھی تھی آپ نے بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ پھر خود نماز کا طریقہ بتلایا اور سورۃ فاتحہ پڑھنے کا

حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔ ۱۲



فائز و اعانتیس من القرآن وادوہ کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو سورہ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نص قرآن کے موافق ہو  
اور جو نص قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآنی کے برابر نہیں کیا جاسکتا ہے لے ہم کہتے ہیں کہ فرض تو اتنی ہی قرأت  
ہے جو آسان ہو یعنی کم از کم ایک آیت اور خبر واحد میں جو زیادت مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں  
نص قرآن پر بھی عمل ہو گیا اور حدیث پر بھی۔ اور قرابت فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا اور  
یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ  
مخالطہ دینے والا اور خبر واحد کی بناء پر نص قرآن کو باطل کرنے والا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعویٰ کہ قرآن اور حدیث میں مائیس  
(جو آسان ہو) سے مراد سورہ فاتحہ ہے محض زبردستی ہے سورہ والعص اور انا اعطیناک الکوثر اور قل هو اللہ احد سے  
زیادہ آسان سورہ فاتحہ کیوں کر ہو سکتی ہے جس میں دو جگہ حرف فدا ہے جس کا صحیح پڑھنا عوام کو عوام خواص کو بھی دشوار ہے اور

اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ برپا ہے کہ فدا و مشاہیر علامہ یا مشاہیر دال علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں:-  
فرجہم اللہ ابیغنیہ حیث غیرا بین لفظا الفرض والواجب و بین معناہما فجعل ما فرضہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ معارفہم  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان لا ینطق من الہوی ادبا مع اللہ تعالیٰ ونفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحسب  
رفع ہر قبۃ تشریع ربیہ علی تشریعہ صود کو کان ذالک باذنہ تعالیٰ ولم ینظر الی ذالک من جعل الفرض والواجب  
متماثلین وقال الخلف لفظی والحق انما عند الامام ابی حنیفہ متفاضلان والخلف معنوی کما هو لفظی اھ  
(من فتح الماصم ص ۱۹ ج ۲)

اور یہ بھی (اللہ تعالیٰ) امام ابو حنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انھوں نے فرض اور واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ  
الگ بیان کر دیئے کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار دیا  
اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خلافت سے کچھ نہیں فرماتے امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی امام ابو حنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیوں کہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریع کو آپ کی تشریع سے بلند  
رجہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریع بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہونچی جو فرض و واجب کو  
برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض و واجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ  
معنوی فرق بھی ہے اھ۔ صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں حقیقت  
واضح ہو جائے گی کہ قرآن و حدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اس کو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اسے  
واجب کہنا چاہیے۔

نوائی آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کا امر کرتی تھیں۔ اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ  
امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قرأت کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکناات میں۔ پس اس میں  
اہل حدیث کے لئے کوئی حجت نہیں، ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قرأت خلف الامام سے  
بہرہ اسختی کے ساتھ منع فرماتے تھے ان صحابہ کا قول نص قرآن واذ قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور حدیث صحیحہ اذا قرأ الامام  
کو ہوگی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول بحمل سے قرآن و حدیث صحیحہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز



میں یا بھری کے سکنت میں قرأت کرتی ہوں گی۔

دسواں اثر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ .....  
 تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ کوئی ایک سورت پڑھنا واجب ہے؟ اگر وہ اس کے قائل ہیں تو ایسا اثر خود ان پر حجت ہے جس پر وہ عمل نہیں کرتے۔ پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیوں کہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر سے روایت کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر یہ بھی ہے کہ عید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کیا اس میں بھی خلف الامام کا ذکر نہیں اس میں سورۃ فاتحہ۔ پھر عیش کے واسطے سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ۔ کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھا اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو پس یہی مضطرب صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی نے جامع میں بسند حسن امام کے پیچھے ہو دو اس کی نماز بغیر قرأت کے درست ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرتے تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

گیارہواں اثر حضرت عبادۃ الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابو داؤد نے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابو نعیم نے نماز پڑھائی ملتے میں عبادہ رضی اللہ عنہ کے اور میں ان کے ساتھ تھا ہم ابو نعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے ابو نعیم اس وقت جہر سے قرأت کر رہے تھے عبادہ رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ پڑھنے شروع کر دی نماز سے فارغ ہو کر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابو نعیم جہر سے قرأت کر رہے تھے حضرت عبادہ نے کہا ہاں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی الٹے پھر میں کو تمہید بن عبد البر اور مستدرک حاکم سے نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ریح کی طرف اس سوال و جواب کو منسوب کیا گیا ہے میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔  
 اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجع وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے اس میں صرف اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصل ذکر نہیں ہے۔  
 سفیان بن عیینہ اور زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے۔ اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال و جواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچ چاہیے کہ محمود بن ریح صحابی صغیر ہے اور نافع تابعی متوسط ہے۔

(کافی التقریب مستور من الثالوث) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قرأت خلف الامام پر انکار کرنا کیا جلتا ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قرأت خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ان دونوں



کے نزدیک مقتدی کو قرات خلف الامام جائز تھی۔ اور نہ وہ اب تک قرات خلف الامام کے عادی تھے۔ جیسی تو حضرت عبادہ کی قرات پر انکار کیا۔ تو اگر ایک صحابی سے قرات خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے اہل حدیث کا مدعی کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔ جب کہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قرات خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

بارہواں اثر عبداللہ بن عباس کا ہے۔ کہ انھوں نے فرمایا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حریش کے واسطے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کی سند میں ابو بکر برہباری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الغوارس نے جرح کی ہے۔ اور ابو البرقانی اور ابن السری نے کذاب کہا ہے۔ ابوالحسن بن الغزات نے اس کو مخطوب کہا ہے یعنی روایت میں گڑبڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی۔ ہم ابو جمرہ کے واسطے سے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قرات کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قرات کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے۔ اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو بھی نص قرآن اذ اقر القرآن فاستمعوا وانصتوا اور حدیث صحیح اذ اقر الامام فانصتوا کے موافق ہے۔ یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبداللہ بن عباس مقتدی کے حق میں قرات کو فرض نہیں سمجھتے تھے۔ امام کی قرات کو اس کیلئے کافی سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتے کے وقت قرات کو مستحب جانتے تھے اسی طرح نماز سری میں بھی۔ اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔

تیرہواں اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔ صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرماتا چاہیے۔ کیونکہ اس میں نہ سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورۃ کا، ممکن ہے وہ شانہ یعنی سبحانک اللہم وبحمدک اے اور انی بھت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما لانا من المشکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قرات سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قرات کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے صحابہ کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قرات خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام لحن (غلط خواں جاہل) ہو تو اس کے پیچھے مقتدی کو قرات کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس کے بعض فقہاء حنفیہ بھی قائل ہیں۔

دوسری الطبقات فی الکلبیہ بسند رجالہ ثقات عن ابی مسعود انه قال یا فلاح لا تنزل خلف الامام الا ان یکون اماما لا یقرأ بجمع الزوائد اسی الا ان یکون الامام لکننا فیحدیجہ للقتدی ان یقرأ خلفہ وهذا وجہ ذہب الیہ بعض اصحابنا۔ (عمدة القاری)

طبرانی نے یہ روایت ثقات عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا۔ اے فلاں امام کے پیچھے قرات نہ کرنا۔ مگر یہ کہ امام قاری نہ ہو اور اُنہی ہو تو قرات کر لیا کرو (جمع الزوائد)۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کر دی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ رسول وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروقؓ و جابر بن عبداللہؓ و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان سب کا قول اور فتویٰ یہی ہے کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز کا ہم ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے۔ اھ۔ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں کئے اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

عہ لا یجوز فی صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں۔



لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب — اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔

تو اس سے کس کو انکار ہے تنبیہ بھی کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ گفتگو قرأت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت واجب ہے یا نہیں کہ حدیث عبادہ میں اس کا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اور جس جگہ امام ترمذی نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے۔ وہاں محمد بن اسحق کے واسطے سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تغلوا الایام القساآن آیا ہے۔ کہ امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورۃ فاتحہ یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب — دہذا صحیح اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحق لاصلوة الا بام القساآن زیادہ کرنا صحیح نہیں۔ پس گفتگو قرأت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اس کا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے۔ بلکہ قرأت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ امام ترمذی نے باب ترک لقأت خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔ واما الامام احمد بن حنبل فقال معنى قوله النبى صلى الله عليه وسلم لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان حدثا واجتبع بحديث جابر بن عبد الله حيث قال من صلى ركعتين لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يعمل الا ان يكون وراء الامام قال احمد فلهذا رجل من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم — تاويل قول النبى صلى الله عليه وسلم لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده —

لیکن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام احمد نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی نماز بغیر قرأت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔ مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا۔ تو یہ کہاں کا نصاف ہے کہ یہی وغیرہ کا قول تو حجت ہو اور امام احمد کا قول حجت نہ ہو۔ اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزو القرات بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی، امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔ اس اثر کے جملہ اجزاء متفق علیہ ہیں۔ بجز ورار الامام وغیرہ الامام کے جس سے امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔

صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزو کی صحت کو ثابت کرے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیار الجصاص ہے جس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابو زرعة اور ابو حاتم اور نسائی اور فضل غلابی اور واقطنی اور ابن عدی نے ضعیف، متروک، مذہوم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے ہی سلمہ بن فضل سے حجاج بن ارطاة سے قتادہ سے زرارہ بن اوفی سے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورۃ میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا۔ امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ فنبی عن القرات خلف الامام تنہا حجاج بن ارطاة نے اس حدیث میں زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرأت خلف الامام سے منع کر دیا میں کہتا ہوں حجاج بن ارطاة محمد بن اسحق سے زیادہ قوی ہے



جس کی روایت کو بہت سی اور اہل حدیث بار بار جھٹ میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاة سے امام مسلم نے مقرون روایت کی جو امام بخاری نے تصدیقاً اس سے استنباط کیا ہے شعبہ میں کی بہت تعریف کرتے تھے اس طرح حماد بن زہد اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری نے بھی کثرتاً اور حفظاً حدیث کی تعریف کی ہے جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اس کی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور اکثر کی تحقیر کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمہ بن الفضل بھی ثقہ ہے یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابو طو و اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاة کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے فتویٰ بھی نقل کئے ہیں گواہ ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوعہ کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیوں کہ وہ مولف کے خلاف تھا حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبداللہ بن عثمان بن خثیم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ فرمایا ہاں اگرچہ اس کی قراءت کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے۔ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا وہ تکبیر و تحمیس کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اس کے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قراءت شروع کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قراءت نہ کرتے تھے بلکہ سکۃ امام میں قراءت کرتے اور امام کی قراءت کے وقت خاموش رہتے تھے۔ اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں سکتا امام میں قراءت کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیوں کہ امام پر سکۃ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشتم کے سعید بن جبیر کا یہ فتویٰ مذکور ہے کہ ان سے قراءت خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اور اس کے سبب لاوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتویٰ نص قرآن اور حدیث صحیحہ اذافر الامام فالفتوا کا موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا اس کے بعد امام ابو حنیفہ رحمہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں دصاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اس کو کہتے ہیں) قراءت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے میں نے کہا آپ کا فتویٰ کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قراءت کرو۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر و عصر میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے اسی کو حماد نے پسند کیا اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قراءت جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کا پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قراءت واجب ہے۔

اس کے بعد مکحول شامی کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتویٰ کی محمد بن سیرین کے فتویٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کو سنت نہیں سمجھتا۔ ایسا بے سند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ رہا امام بخاری کا جو قراءت میں یہ فرمایا کہ تابعین میں سے



ظلالِ دگیارہ حضرات) قرارت خلف الامام کے قائل و عامل تھے۔ اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیوں کہ ممکن ہے وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکنتات امام میں قرارت کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرارت خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکنتات میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابوسلمہ اور سن بصری کا فتویٰ اپنی تائید میں نقل کر دیا حالانکہ اول و دوم سکتہ امام میں قرارت کے قائل ہیں اور امام حسن بصری فی نفسہ کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ ”آہستہ پڑھ لیا کرو ہم پر حجت نہیں پھر جزو القرات امام بخاری کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا کہ حسن بصری و سعید بن جبیر اور میمون بن مہزیق وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرارت کرنے کو کہا ہے۔ حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتہ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے عطار بن ابی رباح کا فتویٰ حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے موافق نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہری سے قرارت کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورہ فاتحہ پڑھ لے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطار بن ابی رباح کے نزدیک آیت ولواقرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قرارت خلف الامام کے متعلق نازل ہوتی ہے اور مقتدی پہ امام کی قرارت کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔ رہا مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے اسی طرح عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا کہ جو اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کر دیا ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرارت کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہری کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث (بن سعد) ان میں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرارت نہ کی ہو اور امام نے قرارت کی ہو تو نماز باطل ہے اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبد اللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔ اسی طرح

صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبد البر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرارت خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ امام احمد بن حنبل اقوال علماء کو ان سے زیادہ جلتے ہیں امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے معانی الآثار طحاوی میں باب قرارت خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام یوسف سے امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شہاب سے حضرت جابر بن عبد اللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لہ امام فسرّ لہ الامام لہ قرارت جو شخص امام کے ساتھ و نماز پڑھتا ہو تو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں



ان کو اس حال میں پایا کہ لوگ ان پر حرم کئے ہوئے تھے اور سب تل شریعہ میں فتویٰ طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے ان کو ایک خاص حاجت میں فتویٰ پوچھا تو مجھے ان کے فی البدیہہ جواب سے بڑا تعجب ہوا رفیع ص ۱۴۸) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہوتا ہے۔  
 تو ممکن ہے امام ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قرأت خلف الامام کے قائل ہوں جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، اس کے بعد قرأت خلف امام کے قائل نہیں رہے۔ حرمی سے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہوں اور لوگ بھی قرأت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہو گا کیونکہ بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔

مورخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے بعض لوگوں نے صرف اس لئے کہ وہ امام مالک کے روایت کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر ان کی فقہی کتابیں اقوال ابو حنیفہ سے مزین و مملو ہیں امام مالک کا قول ضاؤدناور سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے اس قول سے الا قوم من الکوفیین (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک جماعت قرأت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب اور اصحاب علی رفع کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قرأت خلف الامام مشہور و معروف ہے صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلانا چاہیے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جو لوگ امام کے ساتھ قرأت سے دست بردار رہے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب الشارح سنن صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد و اذا قراء فانصتوا (جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو امام احمد و یحییٰ (بن راہویہ) اور امام مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے بخلاف اس حدیث کے جس سے قرأت فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادة بن الصامت کا قول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرأت فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال سے دینا چاہا جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول قرأت فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قرأت کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قرأت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ بقیہ ائمہ کرام کا مذہب بھی آپ نے یہاں نقل کیا ہو گا جیسا امام احمد اور مالک کا مذہب نقل کیا ہے اس لئے جب تک ان کے الفاظ سہل منے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ میں ہو سکتا کیوں کہ صاحب تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شمار کر دیا ہے حالانکہ ہم مؤطا مالک اور جزوالقرأت میں حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری ہی میں قرأت خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں قرأت الامام فانصتوا کی روایت کو لے کر لے کر نا اور حدیث ابی موسیٰ والی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک قرأت خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے اس کے خلاف جب تک ان کے خلاف الفاظ موجود ہیں وقت تک ان کو قرأت فاتحہ خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ امام نووی کی جو عبارت صاحب تکمیل نے



نقل کی ہے کہ جمہور علماء ملت و خلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس میں قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرارت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجتا القابالغ سے ہم نقل کو چکے ہیں کہ نماز جہری میں ان کے نزدیک مقتدی کو خاموش رکھنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں یا جہری کے مسکنات میں قرارت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں کسی کو خلافت نہیں ہی طرح تقریر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں بھی قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرارت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اس میں گفتگو نہیں محل نزاع قرارت فاتحہ خلف الامام ہے یا رض امام تو کسی ہوں یا بغوی ان سب کے لئے فقط سورۃ فاتحہ کا واجب بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اس میں ہے کہ امام کی قرارت سے واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے امام رازی کا حدیث قسمت الصلوۃ میں بین عبدی سے رکعت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکشتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیوں کہ خبر یا حدیث سے رکعت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکعت اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں جو امام رازی اور حمله اہل حدیث کے خلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین نے نماز میں قرارت فاتحہ پر موافقت اور مدد و امت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں قرارت فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیوں کر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذ اقرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع و انصات کا وجوب ثابت ہے و اذ اقرأ القرآن فاستمعوا و انصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قرارت خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔

نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالے سے گزشتہ اوراق میں بتلادیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سحیح کے ساتھ قرارت خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں مغلطہ اربعہ بھی داخل ہیں۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت مشائخ کرام و صوفیہ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قرارت سورۃ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اس سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قرارت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قرارت خلف الامام میں ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قرارت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیاء کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ لکنہ یجوز القراءة بالفاتحۃ خلف الامام فی الصلوۃ وکان یقرأ فی نفسه کہ وہ حنفی تھے لیکن قرارت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہ قرارت کرتے تھے صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے یا نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قرارت سے پہلے یا اس کے ساتھ میں تنہا قرارت کرتے تھے ساتھ ساتھ قرارت نہ کرتے تھے اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قرارت کرتے تھے تو اس کا مانع ثبوت نہیں کرنا چاہیے اور یہ بھی



بتلانا چاہیے کہ حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے مقابلہ میں ان حضرات کی رائے کیا وزن رکھتی ہے؟ اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرات خلف الامام کا بغوت امام ابو حنیفہ اور علماء احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے۔ پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبریٰ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ قرات فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا واجب ہے نہ سنت یہ انکا پہلا قول ہے اور یہی مشہور ہو گیا دوسرا قول یہ ہے کہ بر سبیل احتیاط مری نماز میں قرات فاتحہ مستحسن ہے مکروہ نہیں البتہ اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ "یار لوگوں نے اس رجوع کو دینے سے قول کو مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی و عنترابندی قائم ہو گئی۔" سراسر لغو ہے کیوں کہ اول تو دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں پہلے قول میں وجوب اور سنت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ ان میں تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخل در س ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً مری نمازوں میں قرات فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟..... تو یہ کہنا غلط ہے کہ یار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہ ہونے دیا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملت قطب الارشاد مولانا رشید الدنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے مسکات میں قرات فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قرات کرنا مقتدی کو منع ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ جب امام صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر ان کے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کر کے مسلمانوں میں پھرت ڈالنا کہانتک دیانت و انصاف ہے البتہ سراسر لغو ہے امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا رجوع کی ضرورت تھی کیونکہ امام احمد بن حنبل کے قول سے ظاہر ہو چکا ہے کہ "اہل اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جب امام قرات کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ قرات واجب ہے اور اگر وہ قرات نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے" امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف مری نمازوں میں احتیاطاً قرات فاتحہ کو مستحسن اور مستحب فرمایا ہے جیسا امام صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے رہا اس مسئلہ میں منافقے اور مباحثے کرنا تو اس کی ابتدا جماعت اہل حدیث سے کی طرف سے ہوئی ہے انھوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد باطل۔ بیکار کہہ کر آسمان سربراہ کٹا لیا محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اٹھانا پڑا اگر جماعت اہل حدیث مسائل خلافہ میں اس قدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ و مباحثہ کی اس المناظرہ نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو قرات فاتحہ خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل و فاسد نہیں کہتے وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کبیر پاس بھی قرآن و حدیث اور عمل سلف و خلف سے دلائل موجود ہیں اس لئے کسی وجہ نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے اس لئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ و مباحثہ کی کجیہ نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اس کی نوبت جماعت اہل حدیث کی دریدہ و دہنی کی وجہ سے پیش آئی والہادی اعظم نغیث الغمامہ کے حوالہ سے علامہ عینی کا جو قول شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استخوانا ذالک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصادات وہم من استحسنوا ما فی غیر الجہر یہ ومنہم من اسی ذالک اذ کان الامام لے انا و مسلک ۲۴ پھر ہمارے بعض صحاب



کے پیچھے مستحق سمجھا ہے اور مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے ساتھ مقتدی کو قرارت کی اجازت نہیں دی  
بلکہ اس کی قرارت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصاف فوت نہ ہو کیوں کہ مقتدی کے ذمہ قرارت امام کے وقت سننا اور  
خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کر دی ہے۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ  
فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے کہ فقہاء حجاز و الشام بھی اسی پر ہیں اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کی  
طرت نسبت صحیح نہیں اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحب تکمیل کی ایجاد ہے علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء  
حجاز و الشام کا ذکر ہے وہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ ان کی عبارت ملائمہ ہو۔ مقال الثوری والافندی  
فی روایۃ ابو حنیفہ والیوسف و محمد و احمد فی روایۃ و عبد اللہ بن و صبا والاشہب لایقرأ لمؤتم شیاناً من القرآن  
ولا بشا تحتہ الكتاب فی شیء من الصلوات وضو قول ابن المسیب۔ و جماعۃ من التابعین و فقہاء الحجاز و الشام علی  
انہ لایقرأ معہ فیما یجہد بہ وان لم یسمعہ ویقرأ فیما یس فیہ والامام اھ۔ ص ۲۶ — امام سفیان ثوری کا اور  
امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابو حنیفہ والیوسف اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبد اللہ بن و صبا اور  
اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قرارت نہ کرے سورۃ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب  
اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے۔ اور فقہاء حجاز و الشام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت  
نہ کرے اگرچہ اس کی قرارت کو سنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قرارت کرے۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی اور  
شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کا استعنا  
ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کا استعنا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کا استعنا  
عالمگیر کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحتاً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحتاً مذکور ہے اور اس  
میں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرارت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرارت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں  
البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ کہ اس صورت میں فرض انصاف فوت ہوتا ہے جس کی قرآن و حدیث میں  
تاکید ہے۔ امام رازی کا یہ قول کہ امام ابو حنیفہ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز  
باطل نہیں ہوتی اھ۔ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں کیوں کہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے  
قرارت خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا اس کے بعد دفع دخل قدر کے طور پر صاحب تکمیل نے ملا علی  
قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت سے رو کیا ہے اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور  
ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبدالحی کا کیا درجہ ہے؟ اس پر صاحب تکمیل کا خوش ہونا اور علماء حنفیہ کو الزام دینا۔  
بحر الغریق تیشبت بالحیث کے اور کیا ہے؟ اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر ہوتا ہے جو  
احادیث صحیحہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حیرت مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ و مکتوبہ و آثار مختلفہ و باطلہ کو اپنی تفسیر  
و تحریرات و حواشی میں درج کر کے اپنے حوام و جہلار کو فتنے میں ڈالتے ہیں اھ۔

یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہل حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ۔ فرد علی مسائل میں حدیث کے ساتھ نزاع  
کرنے والے ہیں۔ کیا صاحب تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قرارت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے مسبب سے پہلے



قرآن کریم کی آیت واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پیش کرتے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالا جماع اور بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا اقام فانصتوا۔ درمسل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو اور جب قرأت کرے خاموش رہو جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابو داؤد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے تو کیا مسلم و ابو داؤد و صحاح ستہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان لہ امام فقراءت لہ قراءۃ۔ سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں امام محمد نے موطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔ پھر موطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ و مسنف عبدالرزاق وغیرہ سے صحابہ و تابعین کے آثار بیان کر کے سلف و خلف تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحب تکمیل کے نزدیک موطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیثیں موضوع و مکذوب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم و حیا کا پاس کیے بات کرنا چاہتے اور یہ ساری دلیلیں اور بیانیہ اس برتر پر ہے کہ خود صاحب تکمیل نے اپنے دلائل میں جزو التواتر سے یہی سب سے بہت سی احادیث آثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور لاہی ہے جیسا گذشتہ اوراق میں منسل گذر چکا ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ قول نقل کر کے کہ بعض فقہائے جو یہ کہتا ہے کہ قرأت خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قول شاذ و مردود ہے امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قرأت فاتحہ کو مستحق سمجھا ہے الہ عوام کو یہ دیکھ کر دیا گیا ہے کہ مولانا عبدالحی رح اور امام محمد رح مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں حالانکہ مولانا عبدالحی رح کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکناات امام کی قید بھی مذکور ہے تاکہ استماع و انصات میں خلل واقع نہ ہو اس کے بعد جن علما راجحانہ سے قرأت خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سری نمازوں میں اذکر جہری نمازوں میں سکناات امام کے ساتھ مشید ہے علما حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصات کو ترک کر کے جواز قرأت کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے مانعین قرأت فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور سب پہلے آیت قرآن واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کو پیش کر کے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضروری ہے کہ حنبلیہ تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ ہر جواب صحیح بھی ہو۔ پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں دیدہ و بین کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش وغیرہ کلمات و احصیہ سے یاد کرنا اور ان کے دلائل کو روایات موضوعہ و مکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت و انصاف ہے؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح و حسن نقل کر دیئے ہیں۔

عہ لغوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے سخت بکواس کیا ہے یہ بے ادبی گستاخی انہی کو مبارک ہو لغو لغوہ کے معنی نگو اور نطق سے زیادہ نہیں ۱۲  
عہ اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو۔ ۱۲



جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قرارت خلف الامام کو کہتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ "یراد بان ان احادیث کو امام یا منفرد پر معمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں تبارک قرارت تم خاموش رہو۔ اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن منیع میں صحیح حدیث موجود ہے کہ جب امام قرارت کرے من کان له امام فقرأ رتہ له قرآنہ جو شخص امام کے ساتھ ہوا امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔ حنفیہ حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی ملتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذ قرأ فانصتوا

اور من کان له امام فقرأ رتہ له قرآنہ۔ سب کو جمع کر کے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے لئے قرارت کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتے امام میں اور سری نمازوں میں قرارت خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔ مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت سے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کو واجب کہتے اور حدیث صحیح اذ قرأ فانصتوا اور حکم خداوندی اذ قرأ القرآن فانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔ حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے دیا ہے کہ قرارت خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض نہیں بلکہ منحصص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنة جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جزو القرات میں فرمایا ہے۔ قواقر الخیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة الا بقرات ام القرآن اھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورۃ فاتحہ کی قرارت کے ساتھ۔ سوال انا آسمان جواب از ریسمان اس کا نام ہے گفتگو قرارت فاتحہ خلف الامام میں اور قواقر قرارت فاتحہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قرارت سورۃ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قرارت اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ قرارت فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قرارت مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں کہ تارک قرارت نہیں بلکہ بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے پس اگر صاحب تکمیل کو ہم سے یہ قزوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرارت فاتحہ خلف الامام کا قواقر ثابت کریں۔ محض قرارت فاتحہ کا قواقر بیان کر کے عوام کو قرارت خلف الامام کا دھوکہ دینا محض مغالطہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جاسکتا علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔ فان قلت هذا الحديث مشهور فتجاوز الزيادة بمثله قلت لا نسلم انه مشهور لان المشهور ما تلقاه التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون في هذه المسئلة ولن سلمنا انه مشهور فالن زيادة بالخبر المشهور انما تجوز اذا كان محكما اما اذا كان مخملا فلا وهذا الحديث محتمل لان مثله يستعمل لثني المجاوزة تعمل لثني الفضيلة كقوله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجار المسجد الا في المسجد۔ ولا صلوة بحضرة طعام رواه مسلم الخ ص ۶۷۔ (ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم











خاموش رہے اور موقع ملے تو سکناات امام میں سبحانک اللہم پڑھ لے اور سکناات امام میں سورہ فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے جیسا کہ بارگزر چکا ہے۔ رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی نہیں تکبیر کے بعد مقتدی بننے کا اولہ ہی وقت قرائن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے پہلے نہیں دوسرے اس پر سب کا اجماع کہی ہے کہ امام کی قراءت سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہونا درست ہے۔ پس صاحب تکمیل کو اپنی ہی فہم و دانش کا ماتم کرنا اور باقی بچے بھی برابر قراءت کرتے ہیں وہاں آیت واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا ایک جواب تو یہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی کے حق میں نہیں ہے دوسرے بچوں کو رڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچے تو بے وضو بھی قرائن پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع کے ہیں۔ تو اس کے بھی حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس سے نماز جہری میں صرف امام کی قراءت کے وقت ممانعت ہوگی سکناات امام میں قراءت کرنے کی ممانعت آیت لہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکناات امام کے وقت بھی قراءت ناجائز و حرام ہے۔ یہ حنفیہ پر افتراء ہے جو لوگ سکناات امام کی رعایت کر کے سورۃ فاتحہ خلف الامام پڑھ سکیں اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا اسی طرح سری نمازوں میں بھی قراءت فاتحہ خلف الامام آہستہ آہستہ جائز ہے جب کہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے قراءت کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ انہی الفاظ کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع وانصات کہی پایا جائے گا لہذا یہ محض دعویٰ ہے کہ جو قابل قبول نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنے لبوں کو حرکت دے کر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہر نہ کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا :-

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه - فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ

(قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے ہمارے ذمہ ہے اس کو دآپ کے دل میں) جمادینا اور پڑھوادینا تو جب ہم دلوں کو اسطرح جبریل کے) اس کو پڑھیں تو اس کی قراءت کا اتباع کیجئے۔ اس کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں فاستمع له فانصت کہ جب وحی نازل ہو تو اس کو سننے رہتے اور خاموش رہتے اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف ص ۱۶

معلوم ہوا کہ قراءت قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ کا امام بنایا اسی لئے گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قراءت یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے زبان کو حرکت نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنی سکوت ہی کے ہیں البتہ اگر انصت لہ بولا جائے تو اس کے دو معنی ہیں ایک خاموش رہنا دوسرے کان لگا کر سننا اور جب انصات مطلق ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں ملاحظہ ہو قاموس ص ۹۸

پس امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔ اس کے بعد یہ الزام دیا گیا



ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز میں کئی سکتے ثابت ہیں اگر مقتدی سکتات مذکورہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی آیت و لا قرآن قرآن کا مخالف نہ ہوگا جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ مگر ظاہر ہے کہ یہ سکتات امام پر واجب نہیں کیوں کہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی قرات فاتحہ نہیں کر سکے گا نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابوحنیفہ ہے اور ان کے اصحاب کلمہ ہے جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف بلا ایک غلط نزل کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے بھلا اصحاب کے متعلق کون یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا کر شور کریں گے کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع و خضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی؟ اہل حدیث جو اس قسم کی لغو تاویلیں کر کے صحیح حدیثوں کو رد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویلیں کرتے رہیں وہ تو عامل بالحدیث ہوں اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنی بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور استخوان فروش قرار پائیں سبحان اللہ کیا انصاف ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قرات جائز ہے تو خطبہ جمعہ میں بھی چلا کر بولنا ہی منع ہوگا کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تبسّیج و تکبیر و تہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیے کیوں کہ تمام علمائے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شان نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبہ جمعہ میں امام کا خطبہ سنتے ہوئے لوگوں کو بغیر چلا باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر و تبسّیج و تہلیل کرنا جائز ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے کبھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت لہذا سے استدلال کرنا تمام محدثین و مفسرین کے خلاف ہے یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے؟ اس سے تو وہ قرات خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اس میں جمہور سلف و خلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقرء ما تیس من القرآن سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث اعرابی سے ان کے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے انہی اس کا جواب گزر چکا ہے کہ مکہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہل سچان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے چھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا شان نزول فقط خطبہ جمعہ ہے کیوں کہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر و تبسّیج پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قرات کس طرح جائز ہوگی؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا جب سورۃ بقرہ کی آیت وقوم للہ قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت فاقرء القرآن فاستمعوا و انصتوا بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کیے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قرات خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ کھوتے تھے کسی ایک دو ناواقف نے ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخنی







دوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حالت رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آگئے ملنے سے بغیر فاتحہ کے رکعت ہو گئی تو حالت قیام میں بھی سورۃ فاتحہ بغیر ہو جائے گی الخ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ و حنبلیہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قرارت خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے ولا تخاف قرارة لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیہہ کالسورة۔ پھر قرارت فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے (ضم) سورت اہد

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرارت کا وجوب حالت قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ میں کہتا ہوں اہل حدیث کی زبان و قلم سے ایسی باتیں نکلتی جاتے تعجب ہے کیوں کہ یہ تو مراسر قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے ادل من قاس ابلیس کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ ان کو کسی حدیث سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ قرارت کا وجوب حالت قیام کے تھا مخصوص ہے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لا ملاقاة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر کوئی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مفید کر سکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو دوسری حدیث من کان لا امام فقل رتہ لا قرارة سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اول اس کی تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابو بکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پالینے سے رکعت کے پالنے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شائع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پالنے سے رکعت نہیں ملتی اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی پس رکوع پالنے والے پر رکوع میں قرارت فاتحہ فرض ہونی چاہیے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزوالقرارت یہی ص ۶۸

عن حسان بن عطیة عن ابی الدرداء قال لا تتراک الفاتحة خلف الامام نہاد بن ابی المحاریر ولوان تقرأ وامت راکع وفي رواية أخرى عن ابی الدرداء قال لو ادركت الامام وهو راکع وجبت ان اقل بفاتحة الكتاب حسان بن عطیة حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ چھوڑو چلے رکوع میں ہی پڑھ لو دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند لے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے بیان کی بلا جملے کہ قیاس ابلیس کس قسم کا تھا اور قیاس مجتہد کے

کہتے ہیں ۱۴



و سبباً

کروں گا کہ سورہ فاتحہ (رکوع میں بھی) پڑھ لوں۔ اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قرات فاتحہ ہو سکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے۔ پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہو جاتی ہے۔ حنفیہ و حنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قرات کافی ہے صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا ان کی جس بدحاشی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں ان کو یا تو یہ ظاہر یہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہیے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابوالدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پلے تو رکوع میں ہی سورہ فاتحہ پڑھ لے اگر وہ جمہور کی طرح اس کے قائل ہونگے کہ رکوع پلے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قرات فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابوجبرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے ان کی وہ رکعت ہو گئی پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا البتہ اس سے صاحب تکمیل کی بدحاشی ظاہر ہے میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابوجبرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہو سکتی تو ہم کہتے ہیں قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علامہ شوکانی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہو سکتی اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری اُمت کے خلاف ہے تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ابو داؤد کے حوالہ سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز کے فارغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قرات کی ہے ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے قرات کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن پھین رہا ہے؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو صحابہ اس نماز میں قرات کرنے سے رک گئے جس میں حضور جہر کے ساتھ قرات کرتے تھے اس کو امام مالک نے مؤطا میں امام شافعی نے مسند میں امام اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحصین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے یہ دیا ہے کہ صحابہ قرات کرنے سے رک گئے، یہ لفظ سراج مرفوع نہیں ہے یہ زہری تابعی کا قول ہے۔

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابو داؤد نے اس کو معمر کے واسطے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ

یعنی راوی نے بڑھا دیا ہے۔ صحابی کا قول نہیں ۱۲۰



نے فرمایا: لوگ جہری نماز میں قرارت سے رک گئے۔ اور عمر ثقفی متفق ہے ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتویٰ تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی و سیر و اخبار رسول میں امام وقت ہے۔ زمانہ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ اس سے نماز میں قرارت کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ تو دوسری نمازوں میں قرارت سے ہم بھی منع نہیں کرتے۔ مگر جہری میں تو قرارت کی ممانعت ثابت ہو گئی اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ اس کے بعد صاحب تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سننے الگ مگر وہ یہ تو بتلائی کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فاضل ہی الناس عن القراءت فی ما جہس فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءات۔ (پس لوگ قرارت کرنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرارت جہری سے کوئے تھے) ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قرارت سے رک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابو ہریرہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقراء بھائی فسک۔ کہ سورہ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ حدیث عبادہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں دوسری احادیث کی وجہ سے هذا اذا کان وحده کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور یہ قید خود لاوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر رضی کی روایت سے اس کی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرا۔ قالوا فتوا بھی اس کی مؤید ہے۔ نما ہو جوابکم فتو جوابنا صاحب تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کے چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا ان کی جس بیچارگی کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحب تکمیل نے کمال کر دیا ایک تو حضرت جابر کی حدیث من صلی رکعت لم یقرأ فیہا باسم القرآن فلم یصل الا ایکون و ساء الامام (جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کہتے ہیں) اس کا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا ہو صرف یہ رکعت اس کی بلا فاتحہ درست ہے۔ بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابر رضی سے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ ان سے کسی کا ذہن بھی اس مطلب کی طرف پہنچ سکتا ہے جو صاحب تکمیل نے گھڑا ہے لفظ الا و ساء الامام کو موقوف کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پالی گئی ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ اسی کو کہتے ہیں اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جاسکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعی ثابت نہ کر سکیں گے۔

یہ تو حدیث کے معنی میں بے نیکی تاویل تھی اب صاحب تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اول تو آپ نے اثر جابر کو موقوف قرار دے کر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الحنفیہ مقبول نہیں مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابر کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیوں کر ہے؟ حدیث اذا قرا فانصت لکے وہ خلاف نہیں اور حدیث من کان لہ اسام فقرات الامام لہ قرأتہ۔ کے بھی موافق ہے رہی حدیث حدیث عبادہ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابر کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیث عبادہ کو منفرد پر



محمول کرتے ہیں۔ کیوں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔ پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوئے یہ نقل کہلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالے سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس کی بڑے زور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کر دی من ذالک حدیث یحییٰ بن السلام من شعبۃ فہو منکر الہ مجملہ ان کے حدیث یحییٰ بن سلام کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے جس پر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہو گا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسک حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحییٰ بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلیٰ سے زہری سے سالم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر بدیہی نہ پائے تو ایام تشریق میں روزہ رکھے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا قول ہے کیوں کہ یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطلع علی احد من العلماء بشئ ولكن ذکر ما یقول اطل الہ راجعۃ فی ذالک ص ۱۲۵

یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی ظعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔ اس جگہ صاحب تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں ایک یہ کہ طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز عموم ایام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص ۱۲۰ امام مالک کے واسطے سے وہب بن کیسان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔

دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحییٰ بن سلام و ابن ابی لیلیٰ کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پر زور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہہ دیا تھا کہ میں خود کسی عالم پر ظعن کرنا نہیں چاہتا صرف اہل روایت کا قول نقل کر رہا ہوں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف یا مطلعون نہیں ہیں اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر خدا سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔

تیسرے کتب رجال سے یحییٰ بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا۔ جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہ ہو تو اس کی زیادت مقبول ہے ملاحظہ ہو شرح شعبہ ص ۱۲ اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت پر محمول کیا جاسکے کیوں کہ حضرات صحابہ کبھی حدیث رسول کو بطور فتوے اپنی طرف سے بیان کیا کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب یحییٰ بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان ص ۱۲۱ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف کے اس کی حدیث لکھی جاتے۔ ابن حبان نے اس کو ثقافات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا بھی کر جاتا ہے۔ ابو زرعہ مازنی نے کہا لا بأس بہ ما ہما وھم اس میں کوئی بات نہیں کبھی وہم بھی کر جاتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا شیخ بصری عدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابو العرب نے طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا:

کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ۔ حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا صرف دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے ابن عدی نے اس کی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اس وقت زیر بحث ہے نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحییٰ بن سلام کی توہین کی ہے تو اگر اس کی حدیث کو مولانا احمد علی صاحب نے حسن کہہ دیا تو کیا حرم کیا ہے یا یہ کہ طحاوی نے







بدل دیں اور اگر ان کو یہی غیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل وسعیان بن عیینہ وزہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلا تاویل مفہوم ہو رہا ہے۔ رہا یہ کہ اس حدیث اذا قراء فالنستوا کے دوسرے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرا بھا فی نفسک یا فارسی کہ حالت اقتدار میں سورۃ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو اس کا مطلب ہماری نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھو کیوں کہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے فانتہی الناس عن القراءة فیما جہر فیہ البنی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گذر چکا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرات خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام قولہ اقرا بھا المراد من القراءة ہہنا القراءة فی النفس والاختار بالبال من دون ان یتلفظ بھا اسی احض معانیہا فی نفسک وقلہا فیما حین یقرأ ہا الامام کذا نقلہ النہر قانی فی معناه عن عینی وابن نافع اھ۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان سے تلفظ نہ کرو۔ بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے اور سوچتے رہو جب کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھتے زرقانی نے اسی طرح اس کا مطلب عیسیٰ اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اھ ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں (غیث الغمام) وقال الطحاوی رحمہ اللہ کان من الحجۃ علیہم فی ذالک ان حدیثی ابی ہریرۃ وعائشۃ الذین راوہما عن البنی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فھی خارج لیس فی ذالک دلیل علی انہ اسرأ بذلک الصلوۃ البنی تکنون وراہ الامام قلہ یجوز ان یتكون عنی بذلک لصلوۃ البنی لا امام فیہا للمصلی واخرج من ذالک لما موم بقولہ من کان لہ امام فقراءت الامام لہ قراءۃ فنجعل الامام فی حکم من یقرأ بقراءۃ امامہ فکان الماموم بذلک لکی خارجا من قولہ من صلوۃ لہ یقرأ فیہا بقراءۃ الکتاب فصلوۃ خراج اھ ص ۱۶۱۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرات خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو۔ جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم کے آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اس کی قرات مقتدی کے لئے قرات ہے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں مقتدی کو امام کی قرات کی وجہ سے حکماً قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ جو نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

اب صاحب تکمیل النصاب سے بتلائیں کہ حدیث اذا قراء فالنستوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق سمجھنے کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قرات کرے مقتدی خاموش رہیں۔ رہا یہ کہ دارقطنی کی روایت میں ہے اذا قال الامام غیر المفضوب علیہم ولا الفضالین فالنستوا کہ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۃ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شریانا پائے۔ منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں روایت کیا ہے اذا قال الامام غیر المفضوب علیہم ولا الفضالین فتولوا امین۔ جب امام غیر المفضوب علیہم ولا الفضالین کہے تم آمین کہو کسی محدث نے فقہوا امین کو مختصر الفاظ میں فامینا



کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیلی کو کہہ فائنسٹوا کہہ دیا۔ ایسی مہمل باتوں سے صاحب تکمیل اپنا دل خوش کر لیں مگر سمجھنے والے ان کی بے بسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر ان کو بھیج مان جائے تو ولا الفضالین کے بعد جبر سے کہیں کہنا بھی ممنوع ہوگا کیوں کہ حدیث میں ولا الفضالین کے بعد خاموش ہونے کا امر ہے فاما جواباً کہ فہو جوابنا۔

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان لاہ امام فقہارت لہ قرارۃ (جس کا کوئی امام ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے) صاحب تکمیل نے علامہ سندس حنفی کا سہارا ڈھونڈ لیا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (عبادہ کے خلاف ہے) اللہ اللہ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندس حنفی کی تقلید کرتے ہیں یا للعجب!۔۔۔۔۔ اگر وہ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے، تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو اب سنتے اس حدیث کو حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عمر، ابو سعید خدری، وابو ہریرہ، وابن عباس، وانس بن مالک، رضی اللہ عنہم۔۔۔۔۔ حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام محمد نے مؤطا میں امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے حضرت جابر رضی عنہ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی خلف الامام فان قرارۃ الامام لہ قرارۃ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے۔

اس پر وارفتگی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابو خالد والانی، سفیان بن عیینہ وغیرہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے بنی بعلی اللہ علیہ وسلم مرسل روایت کیا ہے دھماکی کا نام نہ کر دیا اور وہی درست ہے ہم پر حجت نہیں کیوں کہ منذ احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے واسطہ سے مرفوعاً موصول روایت کیا گیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان لیا جائے تو ابو حنیفہ بنی اربل محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں ان کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بنا پر نہ واجب القبول ہے۔ یحییٰ بن معین کے زمانہ تک امام ابو حنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی مسئلہ خلق قرآن کا فتنہ رونما ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیوں کہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی عسیدہ معتزلی اور فروغاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ امام ابو یوسف راؤ امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں۔ ولما سئل ابن معین عنہ قال ثقہ ہما من سمعت احدا ضعفہ ہذا شعبۃ بن الحجاج یکتب الیہ ان یحداث وشعبۃ شعبۃ۔ جب یحییٰ بن معین سے امام صاحب کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مامون ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہے شعبۃ بن الحجاج ان کو حدیث بیان کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبہ شعبہ ہما ہے۔

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبد اللہ بن المبارک اور ان کا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں میں ہے اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید، عبد الرزاق، دکیج بن الجراح اور یہ تو امام صاحب کے فقہ پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ نیز ائمہ ثلاثہ امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی تکمیل بہت مدح و ثنا کی



ہے عینی شرح بخاری ص ۶۴ - اور تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے لوگوں سے امام صاحب کی تضعیف و تہقیر منقول ہے یہ سب فتنہ خلق قرآن کے بعد جماعت شیعہ کی گھڑت ہے کیوں کہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین، مجرورین، منقول ہے یہ سب فتنہ خلق قرآن کے بعد جماعت شیعہ کی گھڑت ہے کیوں کہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین، مجرورین، کذابین کے ذریعے سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد میں کی تاریخ میں ملتی کی گئی ہیں۔ خطیب نے ثقات کے ذریعے سے بحر مناقب و فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کی تفصیل کا شوق ہے۔ میرا مستقل مضمون خطیب بغدادی اور متکرمین حدیث - مطبوعہ رسالہ ماہ داری الصدیق ملتان شہر بابت ۱۹۵۷ء مطالعہ کریں۔ یہ دوسرے طرق جو حضرت عبداللہ بن عمر و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں انکے بعض راویوں پر اگرچہ دارقطنی نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کچھ صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل قسیم نہیں اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ صحیح سے بھی اوپر ہے کیوں کہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے مؤطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے پھر امام دارقطنی نے جو اس کو مرسلہ صحیح کہا ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعی نے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا کیوں کہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب سے قبول کیا ہے۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا غافل یہ ہے کہ حدیث من کان له امام فقراۃ الامام له قراۃ عامہ ہے اور حدیث بخارہ میں الامام القرآن سے سورۃ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے پھر دوسری حدیث میں الا المشبۃ والجمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوۃ لم یقرأ فیہا باسم القرآن فی خداج (جس نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے وہ خداج ہے) عام ہے جس میں سے حدیث من کان له امام فقراۃ عامہ (جس نے قراۃ تہ نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قراۃ کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض بربستی اور بھیت ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ لفظ قراۃ کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوۃ کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث بخارہ میں جملہ استثنائے الامام القرآن کو امام فن یحییٰ بن معین نے ضعیف کہل ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان له امام فقراۃ عامہ میں تاویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان له امام صحیح حدیث ہے نیز حدیث مسلم اذا قرأ فافانستوا اور نص قرآن و اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث بخارہ رضی اللہ عنہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص قرار دینا درست ہے۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں۔ رہا یہ کہ دارقطنی (اور بیہقی) نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صبح اسحہ یا جکلا لا علی پڑھی تھی آپ نے نماز کے بعد دریافت کیا یہ کون میرے پیچھے قراۃ کر رہا تھا؟ تین بار دریافت فرمایا ایک شخص نے کہا میں نے قراۃ کی تھی فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قراۃ کرے اس کو امام کی قراۃ



کافی ہے الا تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مخالفہ کے طور پر صاحب تکمیل اپنی دلیل بنا چکے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہوا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قراءت کی تھی اگرچہ اسے قراءت کی ہوتی تو حضور کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قراءت کی تھی پھر آپ کا یہ فریاد کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت نہ کرنا چاہیے اس سے یہ سمجھنا کہ سورۃ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورۃ نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضور کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قراءت گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضور کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے ایک دونا واقف ایسا کرتے۔ حضور ان کو قراءت سے روک دیتے تھے اگر سب صحابہ قراءت کرتے تو بقیہ مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورۃ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے پھر قراءت کرنے والے نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے سورۃ فاتحہ اور سب احکم ربک لا اعلیٰ پڑھی تھی اس نے بھی صرف سب احکم ربک لا اعلیٰ کی قراءت کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا پھر اگر قراءت فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قراءت سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرمادیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابر کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قراءت فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملہ استثنائے کا حال اور گزر چکا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے۔

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اذا صلی احدکم خلف الامام فلیصمت فان قرأ رتہ لہ قرأ رتہ وصلوۃ لہ وصلوۃ رجوشخص امام کے پیچھے نماز پڑھے خاموش رہے کیوں اس کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے اور اس کی نماز اس کی نماز ہے اس حدیث کو اول تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا ہیں کہ یہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہے پھر اس میں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قراءت عام ہے جس سے جو حدیث عبادہ کے سورۃ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قرأ رتہ لہ قرأ رتہ سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوۃ لہ وصلوۃ کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتدار کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع وسجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تکمیل کے نزدیک صلوة نام ہی سورۃ فاتحہ کا ہے جیسا حدیث قسمت الصلوة مینی دین عبدی کی تفسیر میں ص ۵۵ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو صلوة فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۃ فاتحہ ہی کا نام صلوة ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہوگا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اور اس کی سورۃ فاتحہ مقتدی



کی سورۃ فاتحہ میں کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قرأت کے بعد خاص سورۃ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی سمجھے کہ قرأت سے مراد اس لئے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہ کو رفع کر دیا گیا یہ تو لازمی جواب تھا دیکھیں صاحب تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ وصلوٰۃ لہ وصلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام مناہن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صلوٰۃ و نماز متقن صلوٰۃ مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز صحیح ہوگی اس کی بھی صحیح ہوگی اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی جتنا پھر ابو داؤد و مقنن صلوٰۃ مقتدی میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے قال وحد ثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لئن لم یکن صلوٰۃ کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یا چھ معلوم المسلمین اولہم منین ما حدة اللہ۔ حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یا چھ معلوم المسلمین اولہم منین ما حدة اللہ۔ جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نماز میں قرار دی نہیں ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو۔ جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نماز میں قرار دی نہیں اور عرفاد عادتاً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز شمار کیا جاتا ہے اور یہی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قرأت اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قرأت کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قرأت پر قیاس کرنا غلط ہے کیوں کہ امام کی قرأت کے لئے قیاس و انصاف کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع و سجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذ رکع فارکعوا و اذا سجد فاسجدوا مسجد واجب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دوبار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالا لیتے مگر گفتگو رئیس و قدرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکر یہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالا لیتے ہیں صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اول سب تکبیر کہیں آداب شاہی بجالائیں اس کے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورۃ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آداب تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع و سجدہ میں شکر یہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے اگر اہل حدیث انصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام لیرتصبہ فاداکبہ فکبوا و اذا رکع فارکعوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللہم ربنا لک الحمد و اذا سجد فاسجدوا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو جب رکوع کرے رکوع کرو جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے اللہم ربنا لک الحمد کہو جب سجدہ کرے سجدہ کرو اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے و اذا قرا فاقرا و کہ جب امام قرأت کرے تم بھی قرأت کرو اگر مقتدی کے ذمہ امام کی قرأت کے ساتھ قرأت فرض یا واجب ہوتی تو اس کا بیان اس حدیث میں ضرور تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جا چکے ہیں اس حدیث میں اگرچہ تو اذ قرا فاقرا مستواس ہے کہ جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور ابو داؤد پس جس کو قرأت فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس حدیث کے کسی طریق میں اذ قرا فاقرا و دکھلائے کیوں کہ اسی حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیوں کہ اس میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری وغیرہ نے خود کہہ دیا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اس کو امام احمد نے بیان فرمایا ہے۔

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لا قراۃ مع الامام فی شیء من الصلوٰۃ کہ امام کی کبھی کسی نماز



میرا بھی قراءت نہیں ہے امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں لا تقل مع الامام فی شی من الصلوات ورجاله ثقات امام کے ساتھ کسی نماز میں قراءت نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی بے تکی تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یا شریک یا سوا فاتحہ پر محمول ہے اور — دیدہ دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اس صفحہ پر موجود ہے الخ کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی کی تقلید کس دن سے واجب ہو گئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہو گیا اور نہ مانیں تو شہرہ چشم کہلا میں۔ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہل حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بن جاتے ہیں اور اس کے ملنے پر ایسا زور دیتے ہیں کہ گویا آسمان سے وحی نازل ہو گئی ہے کہ اشر زید بن ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت و حمایت میں کچھ لکھ دیا ہے میں پوچھتا ہوں ہوں کہ زید بن ثابت کے کماثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر کسی طرح کی تاویلوں سے کام لیا جائے گا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکیگی ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کر دے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فاتحۃ کا قول تو حجت ہے اور دوسرے کی تاویل اور امام احمد و سفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہل حدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے ادھر ادھر سے اس میں قیدیں نہ بڑھائیے اس راستہ سے آپ چلیں گے تو انشاء اللہ حنفیہ کے مسلک کی قوت کھلی آنکھوں نظر آجائے گی آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قراءت فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض و واجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لے کر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جس کا آپ کو کوئی حق نہیں ڈوبنے کو تنکے کا سہارا ہی کا نام ہے اخیر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں امام احمد فرماتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قراءت جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اہل عراق میں امام سفیان ثوری اہل شام میں امام اوزاعی اہل مصر میں امام لیث بن سعد ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اس کا امام قراءت کر رہا ہو وہ قراءت نہ کرتا ہو تو اس کی نماز باطل ہے اھ موفق ابن قدامہ رحمہ اللہ امام احمد کا یہ قول نقل کر کے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے ص ۶۷ ۱۷ علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قراءت خلف الامام کی ممانعت بڑے بڑے اسی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عباد بن ثلثہ و عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں محدثین کو ان کے صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قراءت خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے اکثر کے اتفاق کو اجماع کہہ دیا گیا کیوں کہ ہمارے نزدیک اس کو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبد اللہ بن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب کشف الاستار میں فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قراءت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے (جن کے نام یہ ہیں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، علی ابن طالب رضی اللہ عنہ، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اھ۔ اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال بحوالہ کتب و اسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ سلف نے



عام طور پر قراءت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جب کہ امام قراءت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ مؤرخہ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے تھے (بلکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہر نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنے والے بہت کم تھے اور اس سے کتاب اللہ نے بھی منع کیا ہے اھ۔ اور سنت رسولؐ نے بھی اور جہور سلف و خلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قراءت خلف الامام کی صورت میں نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے بعض علماء کے جہر نماز میں بھی مقتدی پر قراءت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قراءت نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قراءت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جہور سلف و خلف میں اور کتاب اللہ بھی اور سنت صحیحہ بھی۔ اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قراءت کو واجب کرتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور ریث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو اذا قرأ فانصتوا (جب امام قراءت کرے خاموش رہو) امام احمد اور مسلم اور امام غیر ہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے لا تفعلوا الا بامام القرآن کہ امام کے پیچھے نہ پڑھئے مگر سورہ فاتحہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور اس کا ضعیف ہونا چند وجوہات سے ثابت ہو چکا ہے دراصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

الحمد للہ کہ آج بروز چہار شنبہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ رسالہ تکمیل البرہان کا جواب تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسئلہ قراءت خلف الامام میں امام ابو حنیفہ کا مسلک کتاب اللہ اور سنت صحیحہ اور اجماع جہور سلف و خلف سے مؤید ہے اور جو اہل حدیث مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قراءت فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والوں کی نماز درست ہی ہو جائے تو غنیمت ہے کیوں کہ قرآن میں اور سنت صحیحہ میں مقتدی کو قراءت قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے قراءت سے منع کیا گیا ہے اور اہل حدیث کے اصول پر نہیں کی مخالفت سے عمل باطل ہو جاتا ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا پس ان کو امام ابو حنیفہ کا احسان مند ہو جانا چاہیے کہ وہ قراءت خلف الامام کی وجہ سے ان کی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہل حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ آیت اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت سے جس کا نزول بالا جماع قراءت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیح اذا قرأ القرآن فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قراءت کرے خاموش رہو اہل حدیث کی نمازیں باطل ہو جانی چاہئیں جیسا عموم یوم النحر کو اسی بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شریع کی یہی موجب بطلان عمل ہے امید ہے کہ اہل فہم اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عینیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت و ادب کا پاس کرنے کی توفیق دے اور اس رسالہ کو مقبول عام و خاص بنائے۔

جو صاحب اس کو مستقل چھاپنا چاہیں وہ لوح پر اس کا نام فاتحہ الکلام فی القراءۃ خلف الامام تحریر فرمادیں۔  
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و الحمد للہ الذی بنعمتہ و بجزائتہ و جلالہ تتم الصلحت۔